

آہٹ

بشیر بدر

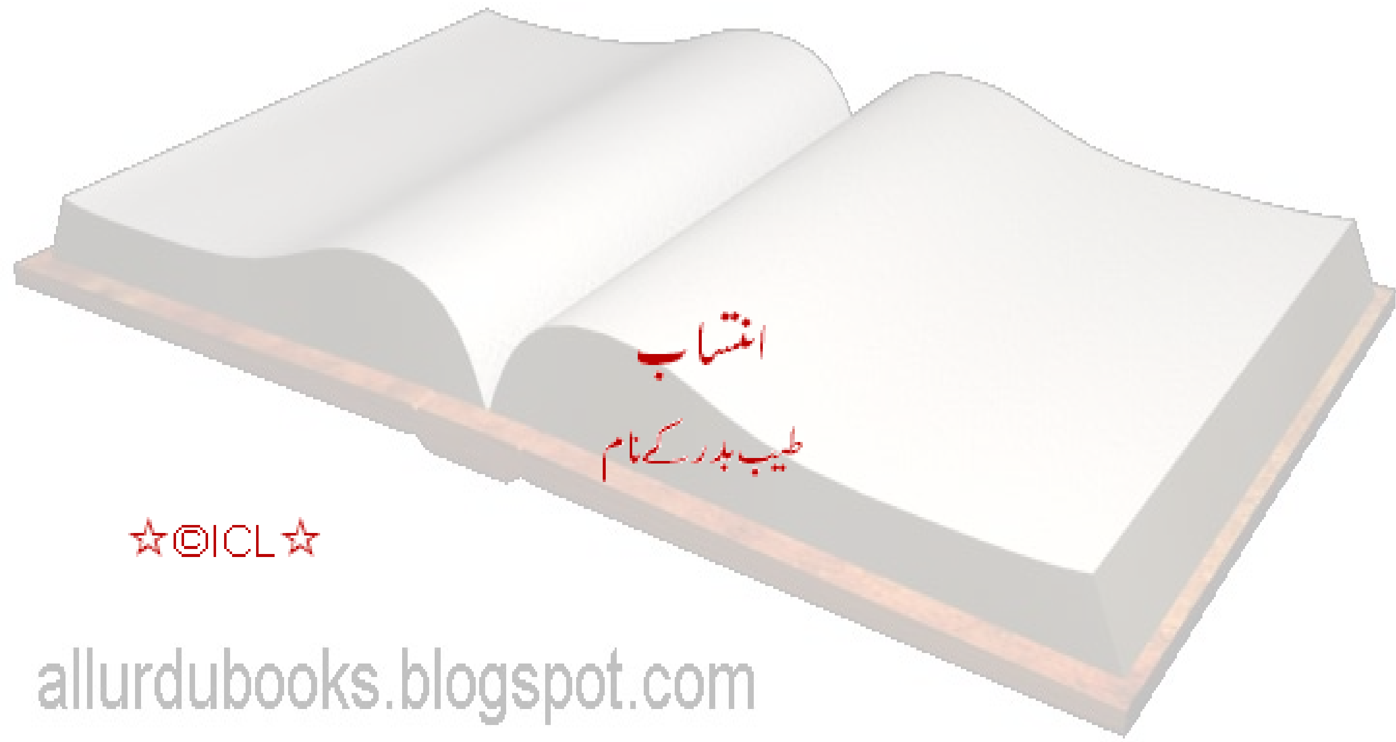




آہٹ

بشیر بدر




انتساب
طیب بدر کے نام
☆©ICL☆
allurdubooks.blogspot.com



اس در کا دربان بنا دے یااللہ
مجھ کو بھی سلطان بنادے یااللہ

ان آنکھوں سے تیرے نام کی بارش ہو
پتھر ہوں انسان بنا دے یااللہ

سہما دل ، ٹوٹی کشتی ، چڑھتا دریا
ہر مشکل آسان بنا دے یااللہ

میں جب چاہوں جھانک کے تجھ کو دیکھ سکوں
دل کو روشن دان بنادے یااللہ

میرا بچہ سادہ کاغذ جیسا ہے
اک حرف ایمان بنادے یااللہ



جب رات کی تنہائی دل بن کے دھڑکتی ہے
یادوں کے دریچوں میں چلمن سی سرکتی ہے

لوبان میں چنگاری جیسے کوئی رکھ جائے
یوں یاد تری شب بھر سینے میں سلگتی ہے

یوں پیار نہیں چھپتا ، پلکوں کے جھکانے سے
آنکھوں کے لفافوں میں تحریر چمکتی ہے

خوش رنگ پرندوں کے لوٹ آنے کے دن آئے
بچھڑے ہوئے ملتے ہیں جب برف پگھلتی ہے

شہرت کی بلندی بھی پل بھر کا تماشا ہے
جس ڈال پہ بیٹھے ہو ، وہ ٹوٹ بھی سکتی ہے



سن لی جو خدا نے وہ دعا تم تو نہیں ہو
دروازے پہ دستک کی صدا تم تو نہیں ہو

سمٹی ہوئی شرمائی ہوئی رات کی رانی
سوئی ہوئی کلیوں کی حیا تم تو نہیں ہو

محسوس کیا تم کو تو گیلی ہوئیں پلکیں

بھیگے ہوئے موسم کی ادا تم تو نہیں ہو

ان اجنبی راہوں میں نہیں کوئی بھی میرا
کس نے مجھے یوں اپنا کہا، تم تو نہیں ہو

☆©ICL☆



پاس رہ کر جدا سی لگتی ہے
زندگی بے وفا سی لگتی ہے

میں تمہارے بغیر بھی جی لوں
یہ دعا ، بددعا سی لگتی ہے

نام اس کا لکھا ہے آنکھوں پہ
آنسوؤں کی خطا سی لگتی ہے

وہ ابھی اس طرف سے گزرا ہے
یہ زمیں آسماں سی لگتی ہے

پیار کرنا بھی جرم ہے شاید
آج دنیا خفا سی لگتی ہے

☆©ICL☆



یہ خلا ہے عرشِ بریں نہیں ،کہاں پاؤں رکھوں زمیں نہیں
ترے در پہ سجدے کا شوق ہے ، جو یہاں نہیں تو کہیں نہیں

کسی بت تراش نے شہر میں مجھے آج کتنا بدل دیا
میرا چہرہ میرا نہیں رہا ، یہ جبیں بھی میری جبیں نہیں

ہے ضرور اس میں بھی مصلحت، وہ جو ہنس کے پوچھے ہے خیریت
کہ محبتوں میں غرض نہ ہو، نہیں ایسا پیار کہیں نہیں

وہیں درد و غم کا گلاب ہے ، جہاں کوئی خانہ خراب ہے
جسے جھک کے چاند نہ چوم لے، وہ محبتوں کی زمیں نہیں

تری زلف زلف سجاؤں کیا، تجھے خواب خواب دکھاؤں کیا
میں سفر سے لوٹ کے آؤں ، مجھے خود بھی اس کا یقیں نہیں



کسی کی یاد میں پلکیں ذرا بھگو لیتے
اداس رات کی تنہائیوں میں رو لیتے

دکھوں کا بوجھ اکیلے نہیں سنبھلتا ہے
کہیں وہ ملتا تو اس سے لپٹ کے رو لیتے

اگر سفر میں ہمارا بھی ہمسفر ہوتا
بڑی خوشی سے انہی پتھروں پہ سو لیتے

تمہاری راہ میں شاخوں پہ پھول سوکھ گئے
کبھی ہوا کی طرح اس طرف بھی ہو لیتے

یہ کیا کہ روز وہی چاندنی کا بستر ہو
کبھی تو دھوپ کی چادر بچھا کے سو لیتے



آزاد کردے اپنا گرفتار میں ہی ہوں
سر پر لٹک رہی ہے جو تلوار میں ہی ہوں

ہندوستاں کا سچا وفادار میں ہی ہوں
قبروں سے پوچھ اصل زمیندار میں ہی ہوں

دریا کے ساتھ وہ تو سمندر میں بہہ گیا
مٹی میں مل کے مٹی کا حقدار میں ہی ہوں

اپنی غزل سے کس کا کلیجہ نکال لوں
نغموں کی دھار ، شعر کی تلوار میں ہی ہوں

اس بیسویں صدی میں تھے فیض و فراق بھی
اس بیسویں صدی کا اداکار میں ہی ہوں

اپنے سوا کسی سے محبت نہیں مجھے
غالب بہت شریف تھے مکار میں ہی ہوں

کیا واسطہ غزل کو پرانے عروض سے
اندھے مجھے ٹٹول کہ فنکار میں ہی ہوں

وہ عیش کررہا ہے بہت کافروں کے ساتھ
مولا کی رحمتوں کا طلبگار میں ہی ہوں

اب سو کروڑ لوگ سنبھالیں گے راج پاٹ
اردو غزل کا آخری دربار میں ہی ہوں

اک میر تھا سو آج بھی کاغذ میں قید ہے
ہندی غزل کا دوسرا اوتار میں ہی ہوں

کلمہ پڑھالیا پھر اسے ہندی بنادیا
ملکِ سخن کا پاک گناہ گار میں ہی ہوں

چولا بدل کے پھر میں شتا میں آؤں گا
جوگرنے والی ہے وہی سرکار میں ہی ہوں

میں لڑتے لڑتے ٹوٹ گیا اپنے آپ سے
راون کا روپ ، رام کا اوتار میں ہی ہوں

میری زمیں نئی ہے ، مرا آسماں ہے اور
صبحِ ادب ہوں ، شام کا اخبار میں ہی ہوں

اپنا قصیدہ بھیجوں گا اپنے حضور میں
سورج ہوں اپنی دھوپ کا دربار میں ہی ہوں



جو اپنے دکھ سکھ بانٹ سکے ہم اس کو عورت کہتے ہیں
ورنہ ہر اچھی صورت کو پتھر کی مورت کہتے ہیں

یہ رام جنم بھومی کا لہو، یہ بابری مسجد کی لاشیں
تم ان کو مذہب کہتے ہو ، ہم وحشی سیاست کہتے ہیں

اس ملک میں ہندو ، مسلم ، سکھ سب پاگل ہوتے جاتے ہیں
ملا، پنڈت ، نیتا اس کو اللہ کی رحمت کہتے ہیں

دنیا کے اجلے کرتے سے ہم نے تو جوتے پونچھ لیے
وہ شاعر ہیں جو رسوائی کو اپنی شہرت کہتے ہیں



شہر دل ، ڈھونڈ رہی ہیں گلیاں
زلف کی چال چلی ہیں گلیاں

بند دروازے ، مجلد ناول
داستانوں سے بھری ہیں گلیاں

کمرے ، دروازے ، دریچے خاموش
چلمنیں تاک رہی ہیں گلیاں

کالی مہریں سے بھرا خط پا کر
سسکیاں بھرتی رہیں ہیں گلیاں

ایک لمحے کو ٹھہرا جانے دو
مجھ کو پہچان رہی ہیں گلیاں

رات شبنم گری کچھ حد سے سوا
یا بہت روتی رہی ہیں گلیاں

کون آتا ہے یہاں کس کے لیے
سب کو پہچان گئی ہیں گلیاں

میرے ہاتھوں کی لکیروں کی طرح
آسماں پر بھی بچھی ہیں گلیاں

بہتے آنسو ترے دامن کی طرف
شہر کی سمت چلی ہیں گلیاں

ان میں مل جائے بھولے بچھڑے
دل میں ایسی بھی کئی ہیں گلیاں

بدر تاریخ کے صفحوں میں نہیں
میری آنکھوں میں بسی ہیں گلیاں



تھا میر جن کو شعر کا آزار مر گئے
غالب تمہارے سارے طرفدار مر گئے

جذبوں کی وہ صداقتیں مرحوم ہوگئیں
احساس کے نئے نئے اظہار مر گئے

تشبیہ و استعارہ و رمز و کنایہ کیا
پیکر تراش شعر کے فنکار مر گئے

ساقی تری شراب بڑا کام کر گئی
کچھ راستے میں ، کچھ پسِ دیوار مر گئے

تقدیس دل کی عصیاں نگاری کہاں گئی
شاید غزل کے سارے گناہ کار مر گئے

شعروں میں اب جہاد ہے ، روزہ نماز ہے
اردو غزل میں تیتے تھے کفار مر گئے

اخبار ہو رہی ہے غزل کی زبان اب
اپنے شہید آٹھ ، ادھر چار مر گئے

مصرعوں کو ہم نے نعرۂ تکبیر کر دیا
گیتوں کے پختہ کار گلوکار مر گئے

اسلوب تحت اتنا گرجدار ہو گیا
مہدی حسن کے حاشیہ بردار مر گئے

تنقیدی اصطلاحوں کے مشاق شہ سوار
گھوڑوں پہ دوڑے آئے سردار مر گئے

ناز و ادا سے مچھلیاں اب ہیں غزل سرا
تھمد پکڑ کے صاحب دستار مر گئے

یارب طلسم ہوش ربا ہے مشاعرہ
جن کو نہیں بلایا ، وہ غم خوار مر گئے



سینے میں خنجر کی نوک چبھوتی ہیں
کچھ یادیں بھی کتنی ظالم ہوتی ہیں

بچپن میں یہ بات مجھے معلوم نہ تھی
میں جب ہنستا ہوں ، یہ آنکھیں روتی ہیں

دل میں آ کر تم مت گننے لگنا
میرے اندر کتنی قبریں سوتی ہیں

میرا حال خدا ہی بہتر جانے ہے
مجھ پر دن ہنستے ہیں ، راتیں روتی ہیں

جتنے تارے آسماں پر سب تیرے
بول سمندر تجھ میں کتنے موتی ہیں

تم چھت پر جب بھی زلفیں بکھراتے ہو
بال میں راتیں اوس پروتی ہیں

سب کو میں تیرا انعام سمجھتا ہوں
راہوں میں جو بھی تکلیفیں ہوتی ہیں



تاروں کی چلمنوں سے کوئی جھانکتا بھی ہو
اس کائنات میں کوئی منظر نیا بھی ہو

اتنی سیاہ رات میں کس کو صدائیں دوں
ایسا چراغ دے جو کبھی بولتا بھی ہو

میں کس طرح یہ مان لوں فصل بہار
اک پھول تو کھلے کوئی پتہ ہرا بھی ہو

وہ میرے ساتھ چل سکے اس دھوپ چھاؤں میں
محبوب خوش مزاج ہو ، غم آشنا بھی ہو

دنیا بدل گئی ہے ابھی اور بدلے گی
کیسے کہوں کہ آنکھ میں شرم و حیا بھی ہو

وہ چاند تو نہیں ہے مگر چاند کی طرح
ان پتھروں کی اوٹ سے اب جھانکتا بھی ہو



میری آنکھوں میں تیرے پیار کا آنسو آئے
کوئی خوشبو میں لگاؤں ، تری خوشبو آئے

وقتِ رخصت کہیں تارے کہیں جگنو آئے
ہار پہنانے مجھے پھول سے بازو آئے

میں نے دن رات خدا سے یہ دعا مانگی تھی
کوئی آہٹ نہ ہو در پہ مرے جب تو آئے

ان دنوں آپ کا عالم بھی عجب عالم ہے
تیر کھایا ہوا جیسے کوئی آہو آئے

اس کی باتیں کہ گل و لالہ پہ شبنم برسے
سب کو اپنانے کا اس شوخ کو جادو آئے

اس نے چھو کر مجھے پتھر سے پھر انسان کیا
مدتوں بعد مری آنکھوں میں آنسو آئے



زمانہ کچھ نہیں بدلا ، محبت اب بھی باقی ہے
محبت زندگی کے باغ میں پھولوں کی ٹہنی ہے

محبت کے ارادے معجزوں سے کم نہیں ہوتے
سمندر پار کرنے کے لیے کاغذ کی کشتی ہے

کبھی سوچا خدا کے سامنے اک روز جانا ہے
ترا مذہب غزل ہے اور غزل میں بت پرستی ہے

کبھی بولو تو شہروں کے مکاں بھی بات کرتے ہیں
تمہارے ذہن میں تو صرف قصبے کی حویلی ہے

اگر بیٹی کی شادی ہو تو پھر کوئی نہیں دشمن
مری بستی کی یہ مخلص کہاوت اب بھی سچی ہے

ترے سورج نکلنے سے مرا موسم نہیں بدلا
وہی گہری اداسی تھی ، وہی گہری اداسی ہے



تیر ہے اور نہ تلوار انسان ہے
پیار کر ، پیار ہی پیار انسان ہے

جو محبت سے لے اسی کے لیے
جان دینے کو تیار انسان ہے

اک گھر کتنے حصوں میں تقسیم ہے
اپنی راہوں کی دیوار انسان ہے

یہ زمیں آسمانوں کو چھوتی ہوئی
اور مجبور ، لاچار انسان ہے

اپنی زنجیر میں خود ہی جکڑا ہوا
آپ اپنا گرفتار انسان ہے

تم بھی بازار ہو ، ہم بھی بازار ہیں
آج اپنا خریدار انسان ہے

دشمنوں سے بڑا اپنا دشمن بنا
اپنی گردن پہ تلوار انسان ہے

دوسروں کے دیوں کو بجھاتا ہوا
روشنی کا طلبگار انسان ہے



خونِ دل خود درا سے تحریر کریں گے
ہم حلق بریدہ ہی سے تقریر کریں گے

ممتاز ڈوب گئی آبِ رواں میں
ہم تاج محل پانی میں تعمیر کریں گے

اقلیم سخن پر تو حکومت ہے ہماری
تقسیم فقیروں میں یہ جاگیر کریں گے

تعبیر بدلنے کا ہنر سیکھ لیا ہے
اب ہم بھی تجھے خواب میں تصویر کریں گے

وہ فخر کرے گا کہ مجھے دیکھ چکا ہے
اس طرح ملاقات کی تدبیر کریں گے

ہم آپ کے وارث ہیں مصاحب تو نہیں ہیں
ہم آپ کی تقریر پہ تقریر کریں گے

اب 'لا' کا سفر ختم ہوا ، آ گلے لگ جا
تو خواب ہے ہم خواب کو تعبیر کریں گے

پانی کی جگہ ہم نے سدا زہر پیا ہے
مر جائے گا ، ہم جس کو بغل گیر کریں گے



ہر جنم میں اسی کی چاہت تھے
ہم کسی اور کی امانت تھے

اس کی آنکھوں میں جھلملاتی ہوئی
ہم غزل کی کوئی علامت تھے

تیری چادر میں تن سمیٹ لیا
ہم کہاں کے دراز قامت تھے

جیسے جنگل میں آگ لگ جائے
ہم کبھی اتنے خوبصورت تھے

پاس رہ کر بھی دور دور رہے
ہم نئے دور کی محبت تھے

اس خوشی میں مجھے خیال آیا
غم کے دن کتنے خوبصورت تھے

دن میں ان جگنوؤں سے کیا لینا
یہ دیئے رات کی ضرورت تھے



گاؤں مٹ جائیں گے ، شہر جل جائے گا
زندگی تیرا چہرہ بدل جائے گا

ہم غریبوں کی اس بھیڑ میں تم کہاں
یہ کلف دار کرتا مسل جائے گا

آگ پر رقص کرنے میں یکتا ہے تو
برف پر پاؤں تیرا پھسل جائے گا

میں اسی فکر میں رات سویا نہیں
چاند تاروں کو سورج نگل جائے گا

اب اسی دن لکھوں گا دکھوں کی غزل
جب مرا ہاتھ آہن میں ڈھل جائے گا

کچھ لکھ مرثیہ ، مثنوی یا غزل
کوئی کاغذ ہو پانی میں گل جائے گا

میں اگر مسکرا کے انہیں دیکھ لوں
قاتلوں کا ارادہ بدل جائے گا



یہ اگر انتظام ہے ساقی
پھر ہمارا سلام ہے ساقی

آج تو اذنِ عام ہے
رات رندوں کے نام ہے ساقی

میرے ساغر میں رات اتری ہے
چاند تاروں کا جام ہے ساقی

ایک آئے گا ، ایک جائے گا
مے کدے کا نظام ہے ساقی

جام ٹوٹے صراحیاں ٹوٹیں
یہ بھی اک قتل عام ہے ساقی

تیرے ہاتھوں سے پی رہا ہوں شراب
مے کدہ میرے نام ہے ساقی



تالاب بے چمک ہیں ، جہاں مچھلیاں نہ ہوں
اخبار بے مزہ ہے ، اگر سرخیاں نہ ہوں

میں پوچھتا ہوں میری گلی میں وہ آئے کیوں
جس ڈاکیے کے پاس تری چٹھیاں نہ ہوں

ہم کو بڑے خلوص سے مر جانا چاہیے
جب زندگی میں تھوڑی بھی دشواریاں نہ ہوں

اس آگ کو خدا مری جھگی سے دور رکھ
جس آگ میں مہکتی ہوئی روٹیاں نہ ہوں

آنسو بہت اہم ہیں ان آنکھوں کے واسطے
وہ آسماں نہیں ہے ، جہاں بدلیاں نہ ہوں

لڑکے ہیں اپنے باپ کی جاگیر کے رقیب
وہ گھر بھی کوئی گھر ہے جہاں لڑکیاں نہ ہوں

☆©ICL☆



ٹوٹے ہوئے ستارے کے سب تار کس گئے
بارش ہوئی کہ درد کے نغمے برس گئے

کیسی سیاہ رات تھی دہلیز پر کھڑی
وہ مسکرا دیئے تو اجالے برس گئے

شادابیوں کے دور کا انجام یہ ہوا
اب کے تو بوند بوند کا دریا ترس گئے

اب خاک اڑ رہی ہے گلابوں کے شہر میں
وہ لو ہے اب کے کہ پتھر جھلس گئے

گھر سے خلوص کیا گیا سب کچھ چلا گیا
باتوں میں رس نہیں رہا ، ہاتھوں کے جس گئے

کچھ رشک مہر و ماہ یہاں آئے تھے کبھی
کوئی تو کچھ بتائے کہاں جا کے بس گئے



وحشی اسے کہو جسے وحشت غزل سے ہے
انسان کی لازوال محبت غزل سے ہے

ہم اپنی ساری چاہتیں قربان کر چکے
اب کیا بتائیں کتنی محبت غزل سے ہے

لفظوں کے میل جول سے کیا قربتیں بڑھیں
لہجوں میں نرم نرم شرافت ، غزل سے ہے

اظہار کے نئے نئے اسلوب دے دیئے
تحریر و گفتگو میں نفاست غزل سے ہے

یہ سادگی ، یہ نغمگی ، دل کی زبان میں
وابستہ فکر و فن کی زیارت غزل سے ہے

شعروں میں صوفیوں کی طریقت کا نور ہے
اردو زباں میں اتنی طہارت غزل سے ہے

اللہ نے نواز دیا ہے تو خوش رہو
تم کیا سمجھ رہے ہو ، یہ شہرت غزل سے ہے



اچھا تمہارے شہر کا دستور ہوگیا
جس کو گلے لگا لیا ، وہ دور ہوگیا

کاغذ میں دب کے مرگئے کیڑے کتاب کے
دیوانہ بے پڑھے لکھے مشہور ہوگیا

محلوں میں ہم نے کتنے ستارے سجا دیئے
لیکن زمیں سے چاند بہت دور ہوگیا

تنہائیوں نے توڑ دی ہم دونوں کی اَنا!
آئینہ بات کرنے پہ مجبور ہوگیا

دادی سے کہتا اس کی کہانی سنائیے
جو بادشاہ عشق میں مزدور ہوگیا

صبح وصال پوچھ رہی ہے عجب سوال
وہ پاس آگیا کہ بہت دور ہوگیا

کچھ پھل ضرور آئیں گے روٹی کے پیڑ میں
جس دن مرا مطالبہ منظور ہوگیا



جاتے ہو تو لے جاؤ یادیں بھی میرے دل سے
ان شمعوں کا کیا رشتہ اجڑی ہوئی محفل سے

اس بار سفر سے ہم کس شان سے لوٹے ہیں
ماں باپ نے پہچانا ہم کو بڑی مشکل سے

سورج سے بچائیں گے بادل کے جزیرے کیا
تم نے بھی زمیں مانگی بہتے ہوئے ساحل سے

انجان سی راہوں میں ، میں اس لیے پھرتا ہوں
آواز ہمیں دے گا شاید کوئی منزل سے

دل پھولوں کی بستی ہے اور پھول بھی یادوں کے
اک رات یہیں ٹھہرو ، جاؤ نہ ابھی دل سے

زنداں کے اندھیرے بھی تاریک نہیں ہوتے
کرنیں سی چمکتی ہیں ، نغماتِ سلاسل سے



آہن میں ڈھلتی جائے گی اکیسویں صدی
پھر بھی غزل سنائے گی اکیسویں صدی

بغداد ، دلی ، ماسکو ، لندن کے درمیان
بارود بھی بچھائے گی اکیسویں صدی

جل کو جو راکھ ہوگئیں رنگوں میں اس برس
ان جھگیوں میں آئے گی اکیسویں صدی

تہذیب کے لباس اتر جائیں گے جناب
ڈالر میں یوں نچائے گی اکیسویں صدی

لے جا کے آسماں پہ تاروں کے آس پاس
امریکہ کو گرائے گی اکیسویں صدی

اک یاترا ضرور ہو نناوے کے پاس
رتھ پہ سوار آئے گی اکیسویں صدی

پھر سے خدا بنائے گا کوئی نیا جہاں
دنیا کو یوں مٹائے گی اکیسویں صدی

کمپیوٹروں سے غزلیں لکھیں گے بشیر بدرؔ
غالب کو بھول جائیں گی اکیسویں صدی



خوشبو کی طرح آیا ،وہ تیز ہواؤں میں
مانگا تھا جسے ہم نے دن رات دعاؤں میں

تم چھت پہ نہیں آئے ، میں گھر سے نہیں نکلا
یہ چاند بہت بھٹکا ساون کی گھٹاؤں میں

اس شہر میں اک لڑکی بالکل ہے غزل جیسی
بجلی سی گھٹاؤں میں ، خوشبو سی اداؤں میں

موسم کا اشارہ ہے خوش رہنے دو بچوں کو
معصوم محبت ہے ، پھولوں کی خطاؤں میں

ہم چاند ستاروں کی راہوں کے مسافر ہیں
ہم رات چمکتے ہیں تاریک خلاؤں میں

بھگوان ہی بھیجیں گے چاول سے بھری تھالی
مظلوم پرندوں کی معصوم سبھاؤں میں

دادا بڑے بھولے تھے سب سے یہی کہتے تھے
کچھ زہر بھی ہوتا ہے انگریزی دواؤں میں



اب مجھے مے نہیں ، میکدہ چاہیے
کچھ نہیں اور اس کے سوا چاہیے

ایک دن تجھ سے ملنے ضرور آوں گا
زندگی مجھ کو تیرا پتہ چاہیے

گھر کی دہلیز پر چاند سویا نہ ہو
صبح ہونے کو ہے لوٹنا چاہیے

اس زمانے نے لوگوں کو سمجھا دیا
تم کو آنکھیں نہیں ، آئینہ چاہیے

یہ زمیں آسماں کچھ نئے تو لگیں
مجھ کو ایسی نظر اے خدا چاہیے

تم سے میری کوئی دشمنی چاہیے
سامنے سے ہٹو ، راستہ چاہیے



تو مجھ سے تیز چلے گا تو راستہ دوں گا
دنا کے پھول تری راہ میں بچھا دوں گا

ابھی تو زندگی حائل ہے تجھ سے ملنے میں
میں آج رات یہ دیوار بھی گرا دوں گا

اگر کسی نے مجھے ایک رات روک لیا
تو اس کا نام پتہ بھی تجھے بتا دوں گا

اب اس کے بعد کوئی بے وفا نہ پاؤ گے
میں اپنے آپ کو اتنی بڑی سزا دوں گا

بہت عجیب سی لڑکی ہے اس کی خاطر میں
پڑھے بغیر حسینوں کے خط جلا دوں گا



ہمارے پاس تو آؤ، بڑا اندھیرا ہے
کہیں نہ چھوڑ کے جاؤ، بڑا اندھیرا ہے

اداس کر گئے بے ساختہ لطیفے بھی
اب آنسوؤں سے رلاؤ، بڑا اندھیرا ہے

کوئی ستارہ نہیں پتھروں کی پلکوں پر
کوئی چراغ جلاؤ، بڑا اندھیرا ہے

حقیقتوں میں زمانے بہت گزار چکے
کوئی کہانی سناؤ، بڑا اندھیرا ہے

کتابیں کیسی اٹھا لائے میکدے والے
غزل کے جام اٹھاؤ، بڑا اندھیرا ہے

غزل میں جس کی ہمیشہ چراغ جلتے ہیں
اسے کہیں سے بلاؤ، بڑا اندھیرا ہے

وہ چاندنی کی بشارت ہے حرفِ آخر تک
بشیر بدرؔ کو لاؤ، بڑا اندھیرا ہے



سورج بھی بندھا ہوگا دیکھ مرے بازو میں
اس چاند کو بھی رکھنا سونے کے ترازو میں

اب ہم سے شرافت کی امید نہ کر دنیا
پانی نہیں مل سکتا تپتی ہوئی بالو میں

تاریک سمندر کے سینے میں گہر ڈھونڈو
جگنو بھی چمکتے ہیں برسات کے آنسو میں

سب دیر و حرم جھوٹے ، دلدار و صنم جھوٹے
ہم آہی گئے آخر دنیا ترے جادو میں

اک ریت کا پردہ تھیں ، آہن کی یہ دیواریں
انسان نہیں رہتا ، انسان کے قابو میں

خوابیدہ گلابوں پہ یہ اوس بچھی کیسے
احساس چمکتا ہے اسلوب کی خوشبو میں



چراغ لے کے ترے شہر سے گذرنا ہے
یہ تجربہ بھی ہمیں ایک بار کرنا ہے

میں وہ پہاڑ ہوں جو کٹ رہا ہے پانی میں
یہ دل نہیں ہے مرے آنسوؤں کا جھرنا ہے

مرے عزیز میں اتری ندی میں کیا اتروں
مجھے چڑھے ہوئے دریا کو پار کرنا ہے

بہت جدید ہوں لیکن یہ میرا ورثہ ہے
اسی قدیم گلی سے مجھے گزرنا ہے

تمھیں خبر نہیں سورج بھی عکس ہے میرا
تمام دن کا مجھے انتظام کرنا ہے

وہ ایک شخص کہ جس کو غزل بھی کہتے ہیں
اسی کے نام سے جینا ، اسی پہ مرنا ہے



اب یاد نہیں آتا مجھے کون ہوں کیا ہوں
دنیا کی عنایت ہے کہ سب بھول گیا ہوں

آنکھوں سے نظر آتی ہے مجھ کو تری آہٹ
تو چاہے جہاں ہو میں تجھے دیکھ رہا ہوں

کیوں مجھ سے لرزتے دو عالم کے اندھیرے
میں چاند ، نہ سورج ، نہ ستارہ نہ دیا ہوں

کشکول کے بدلے میں انہیں تاج ملے ہیں
میں ہاتھ میں اک جام لیے جھوم رہا ہوں

ہم دونوں کے اندر کوئی طوفان چھپا ہے
دریا بھی ہے ٹھہرا ہوا چپ میں بھی کھڑا ہوں

دریا مرے ہونٹوں کو ترستا ہی رہے گا
پانی کے لیے اصغرِ معصوم رہا ہوں



میں یہ دنیا مٹانا چاہتا ہوں
نیا سب کچھ بنانا چاہتا ہوں

میں اپنی قبر میں ڈالر بچھا کے
خدا کے پاس جانا چاہتا ہوں

وہاں پانی میں اب بھی تیل ہوگا
سمندر میں نہانا چاہتا ہوں

کوئی کب تک جیے پابندیوں میں
اسے میں بھول جانا چاہتا ہوں

مرے اندر کوئی ظالم چھپا ہے
میں چڑیا گھر بنانا چاہتا ہوں

کوئی شاعر نہیں ہے اس صدی میں
میں تم کو یہ بتانا چاہتا ہوں



اس نے احسان وہ کیے یارو
آج تو ہم بھی رو دیئے یارو

جس طرح اک چراغ آندھی میں
دشمنوں میں یونہی جیے یارو

مفلسی میں کسی کے گھر جا کر
کون اپنا لہو پیے یارو

جو کسی کو بتا نہیں سکتے
ہم نے وہ کام بھی کیے یارو

تم کو شاید خبر نہیں ہوگی
زہر ہم نے بہت پیئے یارو

آسمانوں پہ کون روتا ہے
دور تک جل گئے دیئے یارو

جب کوئی کسی سے بچھڑ جائے
کس طرح کوئی اب جیے یارو



دل چھلک اٹھا ، آنکھ بھر آئی
آج ٹی وی پہ وہ خبر آئی!

ان مسائل میں تیری یاد بھی کیا
جیسے تتلی پہاڑ پر آئی!

اپنی ماں کی طرح اداس اداس
بیٹی شادی کے بعد گھر آئی

اب تو میں بھی نظر نہیں آتا
اے خدا کون سی ڈگر آئی

تم نے جو کچھ کیا شرافت میں
وہ ندامت بھی میرے سر آئی



حیوانیت کی آگ میں انسان مر گیا
دربار کو بچانے کو دربان مر گیا

اب کے ہمارے شہر میں یہ حادثہ ہوا
اسلام بچ گیا تو مسلمان مر گیا

میرا خدا بھی جل گیا ان جھگیوں کے ساتھ
مسجد کہاں گری ، ترا بھگوان مر گیا

ہم دونوں کے عزیز جہاں سے گزر گئے
تیرا دھوم گیا ، مرا ایمان مر گیا

اخبار میں خبر مرے مرنے کی ٹھیک تھی
دنگوں میں اس برس مرا انسان مر گیا



میں تو ایک کاغذی پھول تھا ، سرِشام خوشبو سے بھر گیا
میں کہاں ہوں مجھ کو خبر نہیں ، مجھے کون چھو کے گزر گیا

وہ اداس لڑکی ، بہار لائی پہاڑیوں سے زمین پر
مرے دل میں درد کا چاند بھی یونہی زینہ زینہ اتر گیا

یہ گلاب بھی مرا عکس ہے ، یہ ستارہ بھی مرا نقش ہے
میں کبھی زمین میں دفن ہوں ، کبھی آسماں سے گزر گیا

میں اداس چاند کا باغ ہوں ، میں گئے دنوں کا سراغ ہوں
مری شاخ شاخ جھلس گئی ، مرا پھول پھول بکھر گیا

وہ سفید پھولوں سی اک دعا مرے ساتھ ساتھ رہی سدا
یہ اسی کا فیض ہے بارہا میں بکھر بکھر کے سنور گیا

مرے آنسوؤں کی کتاب بھی ، تیری خوشبوؤں سے مہک گئی

مرا شعر ہے ترا آئینہ جہاں شام آئی سنور گیا



دلوں کی گرد کو ہم لوگ صاف کرتے نہیں
عجب مزاج ہے اپنا طواف کرتے نہیں

یہ بے تعلقی چھت لے کے بیٹھ جائے گی
بہت دنوں سے کوئی اختلاف کرتے نہیں

ہر ایک لفظ میں دس بیس لفظ ہوتے ہیں
ذہین لوگ کبھی بات صاف کرتے نہیں

وہ میرؔ وقت ہو یا غالبؔ زمانہ ہو
کہ ڈپلیکیٹ کا ہم اعتراف کرتے نہیں

سخن جو میرؔ کا ہے ، میرؔ کو مبارک ہو
کسی کے مال پہ ہم ہاتھ صاف کرتے نہیں

بشیر بدرؔ کے لہجے میں اب وہ کاٹ کہاں
غزل سے دل میں وہ گہرا شگاف کرتے نہیں



اداس آسماں ہے ، دل مرا کتنا اکیلا ہے
پرندہ شام کے پل پر بہت خاموش بیٹھا ہے

میں جب سو جاؤں ان پلکوں پہ اپنے ہونٹ رکھ دینا
یقیں آجائے گا ، پلکوں تلے بھی دل دھڑکتا ہے

تمہارے شہر کے سارے دیئے تو سو گئے کب کے
ہوا سے پوچھنا ، دہلیز پہ یہ کون جلتا ہے

اگر فرصت ملے پانی کی تحریروں کو پڑھ لینا
ہر اک دریا ہزاروں سال کا افسانہ لکھتا ہے

کبھی میں اپنے ہاتھوں کی لکیروں سے نہیں الجھا
مجھے معلوم ہے قسمت کا لکھا بھی بدلتا ہے

پھر اس کے بعد تنہائی پرکھتی ہے مسافر کو
جہاں تک روشنی ہے اپنا سایہ ساتھ دیتا ہے

سمندر پار کر کے جب میں آیا دیکھتا کیا ہوں
ہمارے دو گھروں کے بیچ سناٹوں کا دریا ہے

مکاں سے کیا مجھے لینا ، مکاں تم کو مبارک ہو
مگر یہ گھاس والا ریشمی قالین میرا ہے



اب دھوپ بھول جاؤ کہ سورج یہاں نہیں
ایسی زمیں ملی ہے ، جہاں آسماں نہیں

کاغذ پہ رات اپنی سیاہی بچھا گئی
کوئی لکیر تیرے میرے درمیاں نہیں

راز اب کھلا تری ناراضگی کے بعد
تو مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

ہاں روشنی نہیں ہے مگر اس کی داد دو
ہر طاق میں چراغ ہے لیکن دھواں نہیں

جا میرا شعر لکھ دے گلابوں کی شاخ پر
پھولوں کے آس پاس اگر تتلیاں نہیں

میرا ، کبیر ، چشتی و نانک کے نام کو
جو دیش بھول جائے وہ ہندوستاں نہیں



بڑی آگ ہے بڑی آنچ ہے ترے میکدے کے گلاب میں
کئی بالیاں ، کئی چوڑیاں یہاں گھل رہی ہیں شراب میں

وہ سراپا حسن و جمال ہے وہ ترے سخن کا کمال ہے
کوئی ایک شعر نہ کہہ سکا کبھی اس غزل کے جواب میں

وہی لکھنے پڑھنے کا شوق تھا ، وہی لکھنے پڑھنے کا شوق ہے
ترا نام لکھنا کتاب پر ، ترا نام پڑھنا کتاب میں

مرے زرد پتوں کی چادریں بھی ہوائیں چھین کے لے گئیں
میں عجب گلاب کا پھول ہوں ، جو برہنہ سر ہے شباب میں

یہ دعا ہے ایسی غزل کہوں ، کبھی پیش جس سے میں کر سکوں
کوئی حرف تیرے حضور میں ،کوئی شعر تیری جناب میں



اپنے تیر و کمان دیکھوں گا
اس کی اونچی اڑان دیکھوں گا

چاند سورج ہیں چھاتیاں اس کی
میں کھلا آسمان دیکھوں گا

یہ عجب ضد ہے جا کے لندن میں
بھوک ہندوستان دیکھوں گا

اپنے اقرارِ جرم سے پہلے
دشمنوں کا بیان دیکھوں گا

پتھروں کا تھا سمندر ہوں
میں ہوا کی چٹان دیکھوں گا



غزل کے دل میں بسے ، نظم کی نظر میں رہے
دیارِ لوح و قلم میں سدا خبر میں رہے

ہمارے حال پہ چڑیوں نے مہربانی کی
کھلے پھٹے نہیں جو پھل کہاں شجر میں رہے

تمام ملک اندھیرے میں ڈوب جائے تو کیا
وہ چاہتے ہیں کہ سورج انہی کے گھر میں رہے

وطن میں پھرتے رہے ہم مہاجروں کی طرح
عجب نصیب ہے ، ہر دور میں سفر میں رہے

تھا شوق گریہ جنہیں کھل کے رو نہیں پائے
کبھی انیسؔ ، کبھی میرؔ کے اثر میں رہے

کس احتیاط سے یہ زندگی گزار چلے
کسی کے دل میں رہے ہم کسی کے گھر میں رہے

غزل میں بے ادبی ہے برہنہ گفتاری
تمام پردہ شائستگی ہنر میں رہے



ایسا لگتا ہے ، زندگی تم ہو
اجنبی کہے ، اجنبی تم ہو

لوگ کہتے ہیں ، اجنبی تم ہو
اجنبی میری زندگی تم ہو

دل کسی اور کا نہ ہو پایا
آرزو میری آج بھی تم ہو

مجھ اپنا شریک غم کر لو
یوں اکیلے بہت دکھی تم ہو

دوستوں سے وفا کی امیدیں
کس زمانے کے آدمی تم ہو

میں زمیں پر گھنا اندھیرا ہوں
آسمانوں کی چاندنی تم ہو

لوگ آتے ہیں، لوگ جاتے ہیں
میری آنکھوں میں آج بھی تم ہو



دنیا نے دل کو پیار کا تحفہ دیا نہیں
ہم زندگی تھے ہم کو کسی نے جیا نہیں

سورج سے ، چاند سے بھی حسیں ایک روپ ہے
ایسے مکان میں جہاں کوئی دیا نہیں

دنیا کی اب شکایتیں کس منہ سے ہم کریں
ہم سے وفا کا وعدہ کسی نے کیا نہیں

روٹی بھی چاہیے ، ہمیں پانی بھی چاہیے
ہم عام آدمی ہیں میاں اولیاء نہیں

اس کو بھی کچھ خبر نہیں آنچل کہاں گرا
ہم نے بھی اپنا چاک گریباں سیا نہیں

اک روز گھر پہ چاند ستارے بھی آئے تھے
ہم نے مگر زمین کا سودا کیا نہیں

موسم خزاں کا ہے ، مری بانہیں اداس ہیں
پھولوں کو میں نے گود میں کب سے لیا نہیں

میرے لیے کسی کی محبت تھی کائنات
میں زمین و آسماں ، کچھ بھی لیا نہیں



میں آسماں کی شاخ پہ زندہ ہوں دوستو
چمکار کر بلاؤ ، پرندہ ہوں دوستو

اب کے فساد نے مجھے یہ بھی بتا دیا
میں آدمی نہیں ہوں ، درندہ ہوں دوستو

تم جن کے نیچے بیٹھ کے اوتار ہو گئے
ان برگدوں کا میں بھی پرندہ ہوں دوستو

اخبار میں خبر مرے مرنے کی چھپ گئی
میں چیختا رہا کہ میں زندہ ہوں دوستو

سچ یہ ہے میری بابری مسجد مجھی میں ہے
اور میں خدا کے فضل سے زندہ ہوں دوستو



بے لباسی جو ہر لباس کی ہے
مفلسی عہد بدحواس کی ہے

مطمئن ہیں ذرا امیر و غریب
ہر مصیبت مڈل کلاس کی ہے

آئینہ بن گئے در و دیوار
چاندنی یہ اسی لباس کی ہے

سب کو ساقی نے یہ جواب دیا
یہ خطا آپ کے گلاس کی ہے

تیری خوشبو میں دیکھ لیتا ہوں
یہ مہک تیرے آس پاس کی ہے



غزل کو ماں کی طرح باوقار کرتا ہوں
میں ماںتا کے کٹوروں میں دودھ بھرتا ہوں

تو آئینہ ہے تجھے دیکھ کر سنورتا ہوں
کہاں کہاں ترا چہرہ تلاش کرتا ہوں

یہ دیکھ ہجر ترا کتنا خوبصورت ہے
عجیب مرد ہوں سولہ سنگھار کرتا ہوں

بدن سمیٹ کے لے جائے جیسے شام کی دھوپ
تمہارے شہر سے میں اس طرح گزرتا ہوں

تمام دن کا سفر کرکے روز شام کے بعد
پہاڑیوں سے گھری قبر میں اترتا ہوں

مجھے سکوں گھنے جنگلوں میں ملتا ہے
میں راستوں سے نہیں منزلوں سے ڈرتا ہوں



فلک سے چاند ستاروں سے جام لینا ہے
مجھے سحر سے نئی ایک شام لینا ہے

کسے خبر کہ فرشتے غزل سمجھتے ہیں
خدا کے سامنے کافر کا نام لینا ہے

معاملہ ہے ترا بدترین دشمن سے
مرے عزیز محبت سے کام لینا ہے

مہکتی زلف سے خوشبو ، چمکتی آنکھ سے دھوپ
شبوں سے جام ، سحر کا سلام لینا ہے

تمہاری چال کی آہستگی کے لہجے میں
سخن سے دل کو مسلنے کا کام لینا ہے

نہیں میں میرؔ کے در پر کبھی نہیں جاتا
مجھے خدا سے غزل کا کلام لینا ہے

بڑے سلیقے سے نوٹوں میں اس کو تلوا کر
امیرِ شہر سے اب انتقام لینا ہے



جب اس کی نوازش ہوتی ہے، یہ معجزہ تب ہوجاتا ہے
الفاظ مہکنے لگتے ہیں ،کاغذ بھی ادب ہوجاتا ہے

اس کی ٹھوکر میں ہوتی ہے ، ساری دنیا کی شہنشاہی
دربارِ مدینہ میں جب بھی ، دیوانہ طلب ہوجاتا ہے

یہ آگ ، یہ مٹی ، یہ پانی ، یہ آنچل کی گلریز ہوا
پھر کچھ نہیں رہتا اپنا جب پیسہ بھی رب ہوجاتا ہے

بارش کے بعد پہاڑوں پر قالین بچھا دیتا ہے خدا
یہ دل کا اجڑا ریگستاں بھی شہرِ طرب ہوجاتا ہے

اک شعر غزل کا دنیا کی تنقید سے بالا تر جانو
سو مطلب اس میں ہوتے ہیں ، جو بے مطلب ہوجاتا ہے

پنڈت ، جولاہا کہلایا ، من لاکھ ایس فقیری میں
جس پر سونا چاندی برسے، وہ عالی نسب ہوجاتا ہے



میرے بارے ہواؤں سے وہ کب پوچھے گا
خاک جب خاک میں مل جائے گی تب پوچھے گا

گھر بسانے میں یہ خطرہ ہے کہ گھر کا مالک
رات میں دیر سے آنے کا سبب پوچھے گا

اپنا غم سب کو بتانا ہے تماشا کرنا
حالِ دل اس کو سنائیں گے وہ جب پوچھے گا

جب بچھڑنا بھی تو ہنستے ہوئے جانا ورنہ
ہر کوئی روٹھ کے جانے کا سبب پوچھے گا

ہم لفظوں کے جہاں دام لگے بیچ دیا
شعر پوچھے گا ہمیں اب نہ ادب پوچھے گا

مرا کیا کہیں بھی چلا جاؤں گا
مگر راستہ تو بنا جاؤں گا

ہواؤں کو اس کا شرف کیوں ملے
میں اپنا دیا خود بجھا جاؤں گا

کہیں بھی رہوں، میں کسی سے ملوں
ہمیشہ تمہارا کہا جاؤں گا

لہوس اگر حسن تخلیق ہے
کوئی چہرہ میں بھی بنا جاؤں گا

بغل گیر ہونے کے انداز سے
پتہ دشمنوں کا بتا جاؤں گا



یہ غزل کس کی ہے اس مطلع کو پڑھ کر دیکھو
چاند کی چودھویں تاریخ ہے ، اوپر دیکھو

آج کمرے میں نہیں بیٹھنے والا موسم
برف کھڑکی سے نہیں گھر سے نکل کر دیکھو

رات سوئی ہوئی رعنائیوں نے مجھ سے کہا
ہم کو ہاتھوں سے نہیں ، آنکھوں سے چھو کر دیکھو

چاند کی زلفیں ہیں ، چہرہ ہے ، قدوقامت ہے
آسمانوں سے حویلی میں اتر کر دیکھو

ہم غریبوں سے کبھی ٹوٹ کے ملنے آؤ
کیا بکھرنے میں مزا ہے یہ بکھر کر دیکھو



کہیں پنگھٹوں کی ڈگر نہیں، کہیں آنچلوں کا نگر نہیں
یہ پہاڑ دھوپ کے پیڑ ہیں ، کوئی سایہ دار شجر نہیں

وہ بکا ہے کتنے کروڑ میں ذرا اس کا حال بتایئے
کوئی شخص بھوک سے مر گیا ، یہ خبر تو کوئی خبر نہیں

یہ مہکتے پھولوں کی چھتریاں ، مری مہرباں ، مری سائباں
ترے ساتھ دھوپ کے راستوں کا سفر تو کوئی سفر نہیں

میں وہاں سے آیا ہوں ، آج بھی جہاں پیار دل کا چراغ ہے
یہ عجیب رات کا شہر ہے ، کہیں روشنی کا گذر نہیں

یہ زمین درد کی نہر ہے ، یہ زمین پیار کا شہر ہے
میں اسی زمین کا خواب ہوں ، مجھے آسمانوں کا ڈر نہیں

کوئی میرؔ ہو کہ بشیرؔ ہو ، جو تمہارے ناز اٹھائیں ہم
یہ ظفر کی دلی ہے باد اب یہاں ہر کسی کا گذر نہیں



فرصت کہاں خطوط پڑھوں آج پیار سے
اب خیریت بتایا کرو یار تار سے

دلی کے تاج و تخت کا اک دعویدار تو
داخل تھا اسپتال میں پانی کی مار سے

نیتا کی شان دیکھ اسے ووٹ یوں ملے
مردے نکل کے آگئے اپنے مزار سے

ریلی نکالنے کا ارادہ جہاں کیا
مجھ کو زکام ہوگیا ہلکی پھوار سے

میں ریل روکنے کے لیے تیرے ساتھ ہون
فرصت اگر مجھے ملی سردی بخار سے

میں ڈر رہاہوں مجھ کو نالب کہیں گے لوگ
یہ گھر چلا کرے گا ہمیشہ ادھار سے



آنسوؤں سے ڈھلی ہوئی خوشی کی طرح
رشتے ہوتے ہیں شاعری کی طرح

دور ہوکر بھی ہوں اسی کی طرح
چاند سے دور چاندنی کی طرح

خوبصورت ، اداس ، خوفزدہ
وہ بھی ہے بیسویں صدی کی طرح

جب کبھی بادلوں میں گھرتا ہے
چاند لگتا ہے آدمی کی طرح

ہم خدا بن کے آئیں گے ورنہ
ہم سے مل جاؤ آدمی کی طرح

سب نظر کا فریب ہوتا ہے
کوئی ہوتا نہیں کسی کی طرح

جانتا ہوں کہ ایک دن مجھ کو
وہ بدل دے گا ڈائری کی طرح

آرزو ہے کہ کوئی شعر کہوں
خوبصورت تری گلی کی طرح



وہ تھکا ہوا مری بانہوں میں ذرا سو گیا تھا تو کیا ہوا
ابھی میں نے دیکھا ہے چاندبھی کسی شاخ گل پہ جھکا ہوا

میرے ساتھ ساتھ سدا رہا وہ مری نظر سے چھپا ہوا
یہ عجیب ہجر و وصال ہے ، نہ کبھی ملا ، نہ جدا ہوا

کوئی پھول دھوپ کی پتیوں میں ہرے ربن سے بندھا ہوا
وہ غزل کا لہجہ نیا نیا ، نہ کہا ہوا ، نہ سنا ہوا

جسے لے گئی ہے ابھی ہوا ، وہ ورق تھا دل کی کتاب کا
کہیں آنسوؤں سے مٹا ہوا ، کہیں آنسوؤں سے لکھا ہوا

کئی میل ریت کو کاٹ کر کوئی موج پھول کھلا گئی
کوئی پیڑ پیاس سے مر رہا ہے ندی کے پاس کھڑا ہوا

مجھے حادثوں نے سجا کے بہت حسین بنا دیا
مرا دل بھی جیسے دلہن کا ہاتھ ہو مہندیوں سے رچا ہوا

وہی شہر ہے وہی راستے ، وہی گھر ہے اور وہی لان بھی
مگر اس دریچے سے پوچھنا ، وہ درخت انار کا کیا ہوا

مرے ساتھ جگنو ہے اور جگنو کی اس سفر میں بساط کیا
یہ چراغ کوئی چراغ ہے نہ جلا ہوا نہ بجھا ہوا

وہی خط کہ جس پہ جگہ جگہ دو مہکتے ہونٹوں کے چاند تھے
کسی بھولی بسری سی طاق پر تہہ گرد ہوگا دبا ہوا



آنکھوں میں رہا دل میں اتر کر نہیں دیکھا
کشتی کے مسافر نے سمندر نہیں دیکھا

بے وقت اگر جاؤں گا سب چونک پڑیں گے
اک عمر ہوئی دن میں کبھی گھر نہیں دیکھا

جس دن سے چلا ہوں مری منزل پہ نظر ہے
آنکھوں نے کبھی میل کا پتھر نہیں دیکھا

یہ پھول مجھے کوئی وراثت میں ملے ہیں
تم نے مرا کانٹوں بھرا بستر نہیں دیکھا

یاروں کی محبت کا یقیں کرلیا میں نے
پھولوں میں چھپایا ہوا خنجر نہیں دیکھا

محبوب کا گھر ہو کہ بزرگوں کی زمینیں
جو چھوڑ دیا پھر اسے مڑ کر نہیں دیکھا

خط ایسا لکھا ہے کہ نگینے سے جڑے ہیں
وہ ہاتھ کہ جس نے کوئی زیور نہیں دیکھا

پتھر مجھے کہتا ہے مرا چاہنے والا
میں موم ہوں اس نے مجھے چھو کر نہیں دیکھا

☆©ICL☆
